مقصد اعتکاف

حضرت مولانا مفتی محمد گنگوہی رحمہ اللہ

اعتکاف کا بہت بڑا مقصد یکسوئی حاصل کرنا ہے اپنے مولیٰ جل شانہ کے ساتھ راز و نیاز پیش کرنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بھی اعتکاف فرماتے تھے۔ غار حرا میں ایسی جگہ بیٹھتے جہاں اندھیرا ہوتا روشنی نہیں آتی، ہوا نہیں آتی، کوئی آواز کسی کی کان میں نہیں آتی۔ کوئی صورت کسی کی دکھائی نہیں دیتی، کوئی معاملہ کسی سے لین دین کا نہیں ہے۔ سب سے کٹ کر ہٹ کر ایسی جگہ پر جا کر بیٹھتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کبھی ناشتہ وہاں پہنچا دیتیں اور کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لاتے مکان پر۔ اور یہاں سے پھر ناشتہ لے کر چلے جاتے، آٹھ روز، دس روز، بیس روز، تیس روز، بعض دفعہ اور زیادہ اعتکاف کا حاصل یہ ہے۔ اسی وجہ سے اعتکاف میں پردہ ڈال دیتے ہیں۔ تاکہ صورتیں نظر نہ آئیں۔ قوت تخیلہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ایسا تصور قائم ہو جائے کہ کبھی وہ ہٹنے اور زائل نہ ہونے پائے، بڑا مقصد اعتکاف کا یہ ہے۔

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت کی ملاقاتیں

اس کے بعد اپنے قلب سے ہر چیز علیحدہ کرے، اپنی آنکھ کو ہر چیز سے بچائے، اپنے کان کو ہر چیز سے بچائے، اپنی زبان کو ہر چیز سے بچائے، اپنے ہاتھ پیر اور دل و دماغ کو ہر چیز سے بچائے، تو اس وقت جلوہ صاف طور پر محسوس ہوتا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے اعتکاف کے بارے میں لکھا ہے کہ روزے کی حالت میں اعتکاف ہونا چاہئے تاکہ خیال نہ جائے کہ کیا پکے گا، بازار سے کیا لانا ہے، کب کھانا تیار ہوگا، بیوی بچے کس طرح رہ رہے ہیں؟ کیا ہوگا، کوئی ضرورت پوری کرنی ہے، کہاں جائیں، کیا کریں، ان سب چیزوں سے بے نیاز ہو کر رہے۔

جب قوت متخیلہ میں لفظ اللہ جو کہ دال ہے۔ اسم ہے۔ یہ قائم ہو جاتا ہے تو پھر اس کی کیفیت اور قسم کی ہوتی ہے۔ پہلے

پہلے لفظ اللہ کو قائم کیا جاتا ہے۔ یعنی اسم کو قائم کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسم سے رہنمائی ہوتی ہے۔ مسمیٰ کی طرف۔ مسمیٰ کو اس طرح اسم پر قائم کیا جاتا ہے، جیسا کہ وہ ہے اپنی ذات اور صفات کے ساتھ۔ ایسی ذات وصفات جو ہمارے ادراک سے بالاتر ہے۔ ہم اس کی کوئی صورت تجویز نہیں کر سکتے۔ جیسے زید عمرو کی صورت تجویز کر لیتے ہیں۔ آم، ناشپاتی، سیب کی صورت تجویز کر لیتے ہیں، دیکھی ہوئی چیزوں کی ذہن میں صورت تجویز کر لیتے ہیں، وہاں ایسا نہیں، اس کے لئے کوئی صورت ہم اپنی طرف سے تجویز نہیں کر سکتے۔ وہ ہر چیز سے بالاتر ہے۔ ہر چیز سے بالاتر ہو کر اس کو ذہن میں قائم کرنا ہے، وہ حاضر ہے، وہ ناظر ہے، موجود ہے، اس کے اثرات کیا ہیں، وہ خالق ہے، وہ رازق ہے، وہ نافع ہے، وہ ضار ہے جو امور اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں، ان تمام امور کو انجام دینے والا ان تمام امور کی رہنمائی کرنے والا وہی ہے۔ وہی ذات باری تعالیٰ ہے، یہ مقصود ہے، اعتکاف کا۔

ذکر کے ذریعہ سے بھی مخیلہ میں قائم کیا جاتا ہے۔ صورت کو مگر تھوڑی دیر ذکر کیا تنہائی میں بیٹھ کر اس کے بعد زید ادھر بیٹھا۔ عمرو ادھر بیٹھا۔ بکر ادھر بیٹھا۔ اس سے بات چیت ہو رہی ہے۔ اُس سے بات چیت ہو رہی ہے۔ اب بازار جانا ہے۔ اب پریس جانا ہے۔ اب دکان جانا۔ اب ڈاکخانہ جانا۔ اب فتویٰ لکھنا۔ اب سبق پڑھانا۔ سینکڑوں دھندے لگے ہوئے ہیں۔ آدمی کے ساتھ۔

ہم نے سنا ایک بزرگ تھے، مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضلع بارہ بنکی میں ایک مقام ہے کرسی وہاں کے رہنے والے تھے، بڑے صالح شخص۔ وہاں مکہ مکرمہ میں کئی برس رہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں۔ سنا ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ بھائی مولوی صادق الیقین! مکہ جیسی بابرکت جگہ اور محنت میں تم نے بھی کمی نہیں کی اور جو کچھ ہو سکا اس حقیر نے بھی دریغ نہیں کیا، مگر اتنا سا بھی نفع نہیں ہوا۔ بھئی مکہ مکرمہ جیسی بابرکت جگہ سب جانتے ہیں، طالب علم تو خوب جانتے ہیں کہ ایک ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار ایک ایک لاکھ سات لاکھ ستر لاکھ تک ملتا ہے۔ حرم شریف کعبۃ اللہ کا طواف ساری چیزیں برکت ہی برکت کی ہیں اور ایسی برکت کی جگہ کہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو حکم ہے کہ اس طرف رخ کر کے نماز پڑھو گے تو قبول ہوگی ورنہ قبول نہیں ہوگی۔ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو حکم ہے کہ جس کے پاس استطاعت ہو آئے اور بیت اللہ کا طواف کرے۔ حج کرے۔ حج کر کے آدمی ایسا ہو جاتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ ایسی برکت کی جگہ اور انہوں نے محنت میں کمی نہیں کی، ہندوستان کو چھوڑ کر گئے۔ بیوی بچے سے الگ ہو کر گئے اور وہاں جا کر ان کے پاس ٹھہرے اور ان کی ہدایت کے مطابق کام کیا، اس کے بعد بھی فرما رہے ہیں، نفع نہیں ہوا، نفع کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی نفع کے ہیں، ثواب! ثواب تو یقیناً ہے اس کے اندر کوئی ذرہ برابر تردّد اور شبہ نہیں ہے۔

دوسرے ایک اور معنی ہیں، یعنی صفائی قلب! جس مقصد کے لئے قلب کی صفائی کی جاتی ہے، قلب کی صفائی والی

بات حاصل نہیں ہوئی، لہٰذا مشورہ دیا کہ گنگوہ جاؤ وہ مکہ مکرمہ سے چل کر گنگوہ آئے۔ یہاں دو چیز کو چھڑایا، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ایک تو یہ کہ حدیث نہیں پڑھائیں گے۔ ایک مریض کے لئے نسخہ نہیں لکھیں گے، طبیب بھی تھے، نسخہ بھی لکھتے تھے، مریضوں کے لئے اور حدیث بھی پڑھاتے تھے۔

کوئی میعاد نہیں بتائی۔ ایسے ہی ہے جیسے کوئی طبیب کسی مریض کے متعلق کہہ دے پانی مت پیو۔ پانی جیسی ضروری چیز جس کے ساتھ حیات وابستہ ہے۔ وجعلنا من الماء کل شی حیی۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے معالج نے پانی پینے سے منع کر دیا تھا سات برس تک پانی نہیں پیا۔

ایسے ہی حدیث پڑھانے سے منع کر دیا۔ نسخہ لکھنے سے منع کر دیا اور پھر تیس دن گزرے تھے کہ ان کی تکمیل ہوگئی اور پھر بھیج دیا مکہ مکرمہ حضرت حاجی صاحب کے پاس۔

حاجی صاحب نے ان کو دیکھا تو وجد آ گیا حاجی صاحب کو یا اللہ! کیا چیز بن کر آئے ہیں۔ یہ واقعہ میں نے ایک جگہ پر بیان کیا، ایک مدرسہ کے مدرس تھے، انہوں نے اشکال کیا پڑھانے سے کیوں روکا، انہوں نے؟ حدیث پڑھانے سے حدیث پڑھانا کوئی گناہ کا کام ہے، گناہ کے کام سے روکا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا پانی پینا کوئی گناہ کا کام ہے۔ جس سے روک دیا۔ حقیقی بات تو اللہ کے علم میں ہے یا، ان کے علم میں ہے، جنہوں نے یہ کہا مگر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے ارشاد پر وہ عمل تو کرتے تھے، اپنے اوراد اور اذکار کی پابند کرتے تھے۔ لیکن دھیان لگا رہتا تھا کہ ابھی سبق پڑھانا ہے جا کر اب مریضوں کو دیکھنا ہے یہ جو دھیان لگا رہتا تھا یہ یکسوئی حاصل نہیں ہونے دیتا تھا جس یکسوئی کی ضرورت تھی۔ لہٰذا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں چیزوں سے روک دیا اور جب وہ فارغ ہوگئے تو پھر دونوں کی اجازت دے دی۔

اس پر پھر انہوں نے اشکال کیا کہ حاجی صاحب تو پیر تھے، مولانا گنگوہی کے۔ حاجی صاحب نہیں سمجھ سکے اس بات کو مولانا گنگوہی سمجھے! میں نے کہا کہ بھئی حقیقی بات تو اللہ کو معلوم ہے یا ان کو معلوم ہے جن کا واقعہ میں کیا بتاؤں۔ مگر سمجھ میں یوں آتا ہے کہ اگر حاجی صاحب سمجھتے کہ رکاوٹ یہ ہے اور حاجی صاحب اگر منع فرما دیتے تو مان تو لیتے کہنا۔ لیکن دل کے اندر خرخشہ باقی رہتا، اس واسطے کہ حاجی صاحب نہ حدیث پڑھاتے تھے اور نہ نسخہ لکھتے تھے۔ مولانا گنگوہیؒ حدیث بھی پڑھاتے تھے، نسخہ بھی لکھتے تھے، وہاں آ کر یہ خرخشہ باقی نہیں رہا، کیونکہ مولانا گنگوہیؒ جب دونوں کام کرتے ہیں اور انہوں نے منع کیا تو اس میں خیر ہی خیر ہے، حاجی صاحب کے متعلق یہ شبہ پیدا ہوتا کہ جناب خود تو پڑھاتے نہیں، حدیث اور دوسرا پڑھاوے تو اسے روکے ہیں، یہ ایسا ہی جیسے ایک لڑکا ہے۔ اسکول کا وہ رات کو کتاب نہیں دیکھتا، گھر آ کر سبق یاد نہیں آتا۔ باپ خود اس کو نہیں کہتا، بلکہ اس کے ماسٹر سے کہتا ہے کہ اس سے کہئے کہ کتاب دیکھا کرے، رات کو اس لئے کہ اگر

باپ نے خود کہا تو وہ ہے کہ آپ خود تو دیکھتے نہیں سمجھ لیا کہتے ہیں۔

اسی پر یاد آیا کلکتہ میں ایک لڑکا انگریزی پڑھتا تھا اس کے ماسٹر نے کہا ڈاڑھی منڈانے کو۔ اس نے آکر گھر شکایت کی لڑکا نمازی۔ ڈاڑھی بھی رکھتا تھا، باپ نے کہا، میں کہہ دوں گا چل کر ماسٹر سے۔ باپ گیا اور ماسٹر سے کہا کہ لڑکے کو ڈاڑھی منڈانے پر مجبور نہ کریں۔ میرا لڑکا ہے میں چاہتا ہوں کہ ڈاڑھی رکھا کرے۔ اس نے باپ کی طرف دیکھ کر کہا اور آپ کے خود تو ڈاڑھی ہے نہیں۔ یوں کہتے تھے میں تو شرما گیا کوئی جواب نہیں دے سکا۔

میں نے کہا فضول آپ شرما گئے آپ جواب دیتے ذرا زور دار۔

کیا جواب دیتا؟ میں نے کہا جواب اس طرح دیتے کہ صحیح ہے، میرے ڈاڑھی نہیں ہے، لیکن باپ اگر بدعمل ہو تو کوئی نہیں چاہتا کہ میری اولاد بھی بدعمل ہو، اولاد کے لئے داعیہ جذبہ سب کے دل میں ہوتا ہے۔ باپ اگر جاہل ہو تو وہ یہ نہیں چاہتا کہ میرا لڑکا بھی جاہل رہے۔ جہاں تک یہ لڑکا پڑھ چکا میں نے اتنا نہیں پڑھا لیکن میری طبیعت میں داعیہ ہے کہ میرا لڑکا پڑھے، آپ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ آپ نے تو پڑھا نہیں اتنا اسے کیوں پڑھا رہے ہیں۔ یہ جواب دیتے اس کو۔

تو خیر حضرت حاجی صاحب منع فرما دیتے وہ تسلیم بھی کر لیتے مگر خرخشہ باقی رہتا دل کے اندر، وہ کانٹا کھٹکتا رہتا، مولانا گنگوہیؒ کے منع کرنے کے بعد وہ کانٹا باقی نہیں رہا، کیونکہ حضرت حدیث پڑھاتے ہیں اور نسخہ بھی لکھتے ہیں۔ وہ ماہر ہیں۔ درحقیقت حاجی صاحب نے مولانا گنگوہیؒ کے ذریعے سے منع کرایا یہ نہیں کہ حاجی صاحب سمجھتے نہیں تھے بات کو۔ خوب سمجھتے تھے اور پھر اللہ نے کیا کہ وہ کامل ہو گئے۔

اس واسطے اعتکاف میں خاص طور سے یکسوئی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے منع کرتے ہیں کہ بات چیت مت کرو آپس میں۔ ایک دوسرے کی طرف مت دیکھو۔ کوئی غیر مانوس آواز کان میں نہ آنے پائے۔ غیر مانوس لفظ زبان سے نہ بولے۔ غیر جگہ پر قدم اٹھ کر نہ جائیں۔ غیر مانوس چیز کو ہاتھ مس نہ کرے۔ اِس لئے ہر چیز کی احتیاط کی ضرورت ہے۔

تب جا کر اعتکاف کا پورا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور بھئی رہا میرا قصہ تو میرا تو یہ ہے کہ اس دیوار کے پیچھے تھا، یہاں آکر بیٹھ گیا، کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جیسے وہاں تھا، ویسے ہی یہاں آکر بیٹھ گیا۔

میرا اعتکاف تو محض لفظ ہے، اعتکاف کی حقیقت سے بہت بعید۔ حقیقت تو نصیب نہیں، باقی اللہ تعالیٰ دوستوں کو عطا فرمادے۔ اور ان کے طفیل میں مجھے بھی بخش دے، عطا فرمادے، یہ اس کا کرم ہے۔

اس لئے جب اعتکاف کر رہے ہیں، دس روز کا اعتکاف ہے، اللہ تعالیٰ اس کے حق کو ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، اس پر حقیقی ثمرات مرتب فرمائے۔ یکسوئی نصیب ہو اور اپنی ذات عالی کا جلوہ قلوب کے اندر پیدا فرمائے۔ اسی وجہ سے اعتکاف میں کھانا بھی نہیں۔ روزہ ہے، جتنا وقت صرف ہوتا، کھانا تیار کرنے میں، وہ سب ذکر میں لگ گئی۔ اس لئے ان سب چیزوں سے بچ بچا کر رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے آپ کے لئے سب چیزوں کا

انتظام کردیا۔ کسی شخص کو بازار سے کچھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پکانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لکڑی کی گیس کی فکر نہیں ہے، پتیلی اور رکابی کی ضرورت نہیں، سب چیزوں اللہ کے فضل سے یہاں موجود ہیں، اس کا کتنا بڑا انعام ہے، سارے انکار سے آپ کو خالی کر کے اپنے دروازے پر اس نے لا ڈالا، اس کا بہت بڑا کرم ہے، اس کی نعمت ہے، اس کی قدر کی ضرورت ہے اور قدر یہی ہے کہ وقت کو ادھر ادھر ضائع نہ کریں، زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت تسبیح و ذکر میں مصروف رہیں، مراقبہ میں مشغول رہیں، جب یکسوئی نصیب ہو جائے تب اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد میں بڑا لطف آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بڑی حلاوت معلوم ہوتی ہے، ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے، یکسوئی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے، بغیر یکسوئی کے حاصل نہیں ہوتی۔

نیز ہر شخص کو یہ سوچنا چاہئے کہ میں اپنے نفس کی اصلاح کے لئے آیا ہوں، دوسرے کی اصلاح کے لئے نہیں آیا ہوں، دوسروں میں کوتاہی دیکھیں، غلطی دیکھیں، ان کے اوپر ڈانٹ ڈپٹ نہ کریں، ان کے لئے سخت لب ولہجہ استعمال نہ کریں، آپ کو اگر غایت درجہ محبت کا تعلق ہے تو اس سے نہایت شفقت اور نرمی سے کوئی لفظ کہہ دیں اور اس کے بعد اگر وہ نہ مانے تو پھر اس کے درپے نہ ہوں، وہ جانے آپ اپنا کام کریں، آپ یہاں کے ناظم اعلیٰ نہیں ہیں، ہر شخص اپنی اصلاح کے لئے آیا ہے، جو شخص غلط کر رہا ہے، آپ کے سر کیا ذمہ داری ہے، وہ جانے آپ کو جذبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اٹھتا ہے تو شفقت اور نرمی کے ساتھ کہہ دیں، اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لفظ تو بہت مشہور ہے مگر غور کرنے کی بات ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں دس برس حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا ہوں، خادم تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فلاں کام کر، میں کہتا نہیں کرنے کا، حالانکہ میرے جی میں ہوتا تھا کہ کروں گا مگر حضور سے منع کر دیتا، لڑکپن تھا، شوخی مزاج میں تھی۔ حضور نے فرمایا۔ فلاں کام نہ کرنا، میں نے کہا، میں ضرور کروں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کام کے لئے بھیجتے، میں جا کر کھیلنے کے لئے بچوں میں لگ جاتا، حضور انتظار کرتے رہے، پھر آ کر دیکھا کہ میں ایک جگہ پڑ کر سو رہا ہوں زمین میں۔ مجھے اٹھایا، مٹی جھاڑی، اس دس برس کے عرصے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی لفظ ایسا نہیں فرمایا، جو قطب پر گرانی کا باعث ہو۔

یہ نہیں فرمایا کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا، ڈانٹ ڈپٹ کر، ان چیزوں کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کون مکلف ہوگا، مگر وہاں یہ حال تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین تھے، سفر سے آئے ہیں، لڑکے سامنے آ گئے، چھ برس کے سات برس کے آٹھ برس کے محلّہ کے عزیزوں کے اٹھا کے ایک کو آگے سواری پر بٹھالیا، ایک کو پیچھے بٹھالیا، لڑکوں کے آ کر دامن پکڑ لیا، انگلی پکڑ لی، شفقت تھی، ان حضرات

میں، جوشخص کسی غلطی میں مبتلا ہو، وہ زیادہ شفقت کا مستحق ہے، وہ بیچارہ ایسا ہے، جیس کوئی شخص درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا اس کی جڑ کو کاٹ رہا ہو، اس کے اوپر شفقت زیادہ چاہئے نہ کہ ڈانٹ ڈپٹ غصہ ناراضگی، غصہ ناراضگی سے اصلاح نہیں ہوتی، اگر آپ کی ڈانٹ ڈپٹ سے کسی شخص نے آپ کی بات مان بھی لی تو یوں نہ سمجھنا کہ یہ اصلاح دائمی ہے، آپ سے نظر بچا کر پھر کرے گا وہ کام۔ یہ درحقیقت اصلاح نہیں ہے، بلکہ یہ تو نظر کی چوری ہے۔ میں اسپتال میں تھا، کلکتہ میں کھانا آیا جونرس خدمت کے لئے تھی، اس سے کہا کھانے کے لئے۔ اس نے کہا اس وقت تو میں ڈیوٹی پر ہوں، میں نہیں کھا سکتی۔ ہمارے دوست جمیل صاحب ہیں، انہوں نے کہا، دیکھئے اصول کی اور قانون کی کتنی پابند ہے، میں نے کہا ،لاحول ولاقوۃ الاباللہ یہ اصول کی پابندی ہے۔ یہ تو ڈاکٹر کے نظر کی پابندی ہے، اندیشہ ہے کہ ڈاکٹر اگر اس وقت آجاوے گا تو وہ ڈانٹے گا اور جس وقت یہ اندیشہ نہ رہے پھر دیکھئے کہ کتنی پابند ہے۔ اس چوری کے سلیقہ کو آپ نے کہہ دیا کہ اصول کی پابندی ہے۔ یہ چوری کا سلیقہ ہے۔ جس وقت انہیں معلوم ہوا کہ ڈانٹے گا، ناراض ہوگا تو کھانے سے انکار کردیا اور جہاں اس کا اندیشہ نہیں رہا، وہاں پھر اپنا کام کر گئے۔ اس سے اصلاح نہیں ہوتی۔ اصلاح تو ہوتی ہے اس وقت جب منکر کا عیب ہونا منکر کا معصیت ہونا، منکر کا پریشانی کا باعث ہونا، یہ قلب میں اتر جائے۔ اس سے اصلاح ہوتی ہے۔ اس سے آدمی اس کو ترک کرتا ہے، اور جب تک قلب میں یہ بات نہیں ہوتی، محض تھپڑ ہے کچھ بھی نہیں۔

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ پہلی مرتبہ جب پاکستان گئے اور وہاں سے تشریف لائے تو بڑی تعریفیں کیں، وہاں کہ لوگ دودھ میں پانی نہیں ملاتے اور عورتیں بے پردہ نہیں ہیں، اور یہ ہورہا ہے، میں نے ساری باتیں سننے کے بعد عرض کیا کہ حضرت ایک بات بتائیے کہ یہ سب جو کچھ ہے، خدا کے خوف سے ہے یا صدر ایوب کے ڈنڈے کا اثر ہے؟ کہنے لگے، بھئی ہے تو ڈنڈے ہی کا اثر! میں نے عرض کیا، پھر اس کی کچھ عمر نہیں ہوتی، ڈنڈے کو گھن بھی لگ سکتا ہے، پانی میں بھی گل سکتا ہے، آگ میں بھی جل سکتا ہے، اس ڈنڈے بچارے کی کیا عمر ہے۔ یہ اصل میں اصلاح ہے نہیں، اصلاح تو درحقیقت خوف خدا سے ہوتی ہے، خوف خدا کے پیدا ہونے کی یہی صورت ہے کہ آدمی اس کے صفاتِ کاملہ کو ذہن میں رکھے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے اوپر کتنے کتنے انعامات واحسانات فرمائے، ان کو دیکھے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے پرتم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی چیزیں کیسی کیسی مشینیں اس کے اندر بنا رکھی ہیں، کس کس طرح کھانا کھاتے ہیں اور وہ ہضم ہوتا ہے، اس سے گوشت بنتا ہے، خون تیار ہوتا ہے، دماغ میں جاتا ہے، اعضائے رئیسہ میں پہنچتا ہے، کیسی کیسی چیزیں بنا رکھی ہیں اس کے اندر۔ ہم نے کچھ خرچ کیا ہے، ان کے اوپر کچھ محنت کی ہے، صرف حق تعالیٰ نے بنایا۔ ایک مشین ہے ذراسی خراب ہوجائے آدمی رکھا کا رکھا رہ جائے کچھ بھی نہ ہوسکے۔

اس واسطے خداوند تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ نے انسان بنایا، جانور بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، کل ہی کتاب میں پڑھ رہے تھے وہ سور کا قصہ ابوعبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ کس طرح آدمی اشرف

المخلوقات ہوکر سور چراتا ہے۔ایسی بھی نوبت آتی ہے،سور بھی خداوند تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے آدمی نہ بناتا ہمیں سور بنادیتا تو ہم کیا کرلیتے؟ کچھ نہیں۔سانپ بنادیتے تو کیا ہوتا جو دیکھتا وہی مارنے کو دوڑتا اسے،بچھو بنادیتے کیا ہوتا۔ ہر ایک دیکھتے ہی جوتا اٹھاتا مارنے کے لئے اُسے۔گدھا اور کتا بنادیتے تو کیا ہوتا،بھینسا بنادیتا تو پیچھے بوگی میں جتے جتے پھرتے کیا حال ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اس نے انسان بنایا،انسان بننے میں ہماری کسی سعی کو دخل نہیں ہے،محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

انسان میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں کہ جسمانی سے معذور ہیں،کوئی نابینا ہے،کسی کے ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں، پیر ٹوٹے ہوئے ہیں، قسم قسم کے امراض میں مبتلا ہیں،اللہ تعالیٰ نے سب سے نجات مرحمت فرمائی، کتنے انسان ایسے ہیں کہ انسان ہیں،مگر عقل و دماغ ان میں نہیں ہے، بے عقل ہیں، دیوانے ہیں، کتنے انسان ایسے ہیں کہ جن کے پاس رہنے کے لئے گھر نہیں، سڑک پر لیٹ گئے، دکان کے سامنے لیٹ گئے،اس طرح گزارا کرتے ہیں،تن پوشی کو کپڑا نہیں ہے، کتنے انسان ایسے ہیں جن کی اولاد نہیں ہے، کچھ لوگ ہیں جن کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے، آمدنی کا ذریعہ کچھ نہیں ہے۔

غرض قسم قسم کی چیزوں میں مبتلا ہیں،اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے نجات دی،حفاظت فرمائی۔

کتنے انسان ایسے ہیں کہ ان کو انسان تو بنایا مگر وہ بت کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، بت کو پوجتے ہیں، پیپل کو پوجتے ہیں، پانی کو پوجتے ہیں، پیشاب کو پوجتے ہیں،اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں سے بچایا، کتنے انسان ایسے ہیں کہ مسلمان ہیں،مگر کبھی مسجد میں آنے کی توفیق نہیں ہوتی،اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دربار کی حاضری مرحمت فرمائی، صرف اجازت ہی نہیں بلکہ اس پر انعامات کے وعدے فرمائے ہیں،انعامات عطا فرماتے ہیں، درجات بڑھاتے ہیں اس کے۔ کتنے انسان ایسے ہیں کہ قرآن پاک نہیں پڑھا ہے،نہیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک پڑھایا۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، ہر نعمت کو انسان دیکھتا رہے،سوچتا رہے، ہر نعمت پر حق تعالیٰ کا شکرادا کرتا رہے،لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔مایفعل الله بعذابکم ان شکرتم اگر تم شکرادا کرتے رہو تو اللہ تعالیٰ کیوں عذاب دیں گے۔عذاب کیوں ہوتا ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کا شکرادا نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے انسان بنایا،مسلمان بنایا، اپنا کلام پاک تعلیم فرمایا، مسجد میں آنے کی توفیق دی،روزہ رکھنے کی توفیق دی،اعتکاف کی توفیق دی۔

یہ انعامات ہیں حق تعالیٰ کے جتنا جتنا اس کا شکرادا کریں گے اتنے ہی درجات بڑھیں گے۔ان چیزوں کے اندر

ترقی ہوگی اُن کے ثمرات مرتب ہوں گے اس لئے کسی عارف کا شعر ہے۔

آدمیت دادۂ بازم مسلماں کردۂ

اے خدا قرباں شوم احساں بر احساں کردۂ

اے خدائے پاک تو نے آدمیت دی، پھر تو نے مسلمان بنایا، قربان جاؤں انعام پر انعام کیا تو نے، کتنا بڑا احسان ہے حق تعالیٰ کا۔

سوچیں کتنے لوگ ایسے ہیں جو رات کو چوری کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، قسم قسم کی بدکاریوں میں مبتلا ہیں۔ کوئی لڑ رہا ہے، کوئی کسی کو مار رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ساری چیزوں سے بچالیا ہے اور اپنے گھر لا کر دار الامان میں لا کر ٹھہرادیا ہے۔ مسجد کیا ہے دار الامان ہے۔ ان ساری چیزوں سے بچا کر اپنی ذاتِ عالی کے لئے انتخاب فرمالیا ہے۔

آدمی یہاں آکر اپنی زبان سے کسی کو گالیاں نہیں دے رہا ہے، جھوٹ نہیں بول رہا ہے، کسی کی غیبت نہیں کر رہا ہے، زبان کو حق تعالیٰ کی یاد میں اس کے ذکر میں تلاوت میں مشغول رکھا ہے، کتنا بڑا احسان ہے کہ ان سب خرافات سے ساری نجس جگہوں سے بچا بچا کر لا کر اپنے گھر میں، اپنے مکان میں، اپنی مسجد میں لا کر ٹھہرایا۔ اور سب کا اعزاز و اکرام کیا، اس واسطے اس کی قدر کی ضرورت ہے اور قدر اس کی یہاں بھی ہے، اپنے یہاں بھی ہے ہر جگہ پر ہے، خداوند تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر ہر جگہ پر لازم ہے، ناشکری کا وبال ہر جگہ پر بہت برا آتا ہے، جہاں ناشکری ہے اس جگہ پر ایسے ایسے وبال آئے کہ اللہ کی پناہ۔

بغداد کی سلطنت جو تباہ ہوئی ناشکری کی بناء پر تباہ ہوئی، بہت برا حال ہوا کیفیت یہ ہوگئی تھی، تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک تاتاری نے دیکھا کہ ڈیڑھ سو مسلمان ہتھیار لگائے ہوئے بھاگے جا رہے ہیں جان بچانے کے لئے۔ وہ تاتاری کہتا ہے کہاں جا رہے ہو! ٹھہر جاؤ میرے پاس چھرا نہیں ہے۔ میں اپنے خیمہ سے چھرا لے کر آتا ہوں۔ میں تم کو ذبح کروں گا، وہ سب کے سب وہیں رک جاتے ہیں، بھاگنے سے پیر رک گئے، پیروں میں بھاگنے کی طاقت باقی نہیں رہتی۔ وہ اطمینان سے جاتا ہے، اپنے خیمہ سے چھرا لے کر آتا ہے، ان سے کہتا ہے لیٹ جاؤ! وہ لیٹ جاتے ہیں اور بکروں کی طرح اطمینان سے ان کو ذبح کر ڈالتا ہے، جس وقت حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا جاتا اور بجائے طاعت کے معصیت میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔

ایک مکان میں ایک تاتاری عورت آتی ہے وہاں مسلمان چھپے ہوئے تھے، گاجر مولی کی طرح سے ان کو کاٹتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ بیس لاکھ مسلمان اس خطہ میں آباد تھے، جس میں چودہ لاکھ قتل ہوگئے تھے۔

اس لئے خداوند تعالیٰ کی ناشکری سے ہمیشہ پناہ مانگنی چاہئے، بچنا چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری اور ناقدری نہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے، کہنے والے کو بھی اور سننے والوں کو بھی۔